ڈاکٹر عبدالغفور بلوچ
ایسوسی ایٹ پروفیسر
وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس کراچی
ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ علومِ اسلامی
وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس کراچی

مسئلہ فلسطین پر فیض احمد فیض کی مزاحمتی شاعری اور اس کے اثرات

Dr. Abdul Ghafoor Baloch
AssociateProfessor, Wafaqi Urdu University Karachi
Dr. Hafiz Muhammad Sani
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
Wafaqi Urdu University Karachi

Faiz Ahmed Faiz is among those famous revolutionary poets; who raised his strong voice to protect the rights of the oppressed nations. He termed the resistance movement of Palestine as a movement for Independence and infused new spirit in the historical struggle. He wrote from Bruit for the The Lotus Revolution. This way the Palestinian struggle was not only introduced to the world but it was able toattract the world's favorable attention. This research paper attempts to investigate Faiz Ahmed Faiz from this special perspective.

یہ ایک روشن، تاریخ ساز اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ''فلسطین'' جسے انبیائے کرامؑ کی سرزمین اور اہلِ ایمان کے قبلۂ اول بیت المقدس ہونے کے سبب اسلام میں انتہائی تقدّس اور ادب و احترام حاصل ہے، یہ ہمارے دینی اور ملّی وجود کا جزوِ لازم، جرأت وشجاعت،

عزیمت واستقامت، دلیری اور زندہ دلی کا استعارہ، جذبۂ حریت وفدائیت کی ایک مسلسل اور نا قابلِ فراموش تاریخ اور مسلمانوں کے مزاحمتی ادب کا ایک زندہ وتابندہ موضوع ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

بیسویں صدی کے بین الاقوامی اور بالخصوص دنیائے اسلام کے سیاسی مسائل میں مسئلۂ فلسطین بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اس اہم مسئلے نے اسلامی تشخص کی بنیادوں کو دعوتِ مقابلہ دی۔(۱)

یہ مسئلہ بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل میں اس وقت اُبھرا جب ملّتِ اسلامیہ کا زوال اپنی انتہا پر تھا، دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت سلطنتِ عثمانیہ مغربی طاقتوں کے نرغے میں گھری ہوئی تھی۔۱۹۲۴ء میں ''خلافتِ عثمانیہ'' ختم ہو چکی تھی اور اُس کے ساتھ دنیائے اسلام کی مرکزی اساس پر بھی کاری ضرب پڑی تھی۔(۲)

چنانچہ اسلامی ادب کی کوئی بھی نوع ہو، سخنوری کی کوئی بھی صنف ہو، مزاحمتی ادب کا کوئی عہد، کوئی اسلوب، کوئی زمانہ ہو 'مسئلۂ فلسطین' ہر دور اور ہر عہد میں اہم موضوع بن کر سامنے آیا۔ ہمارے ادبی لٹریچر بالخصوص مزاحمتی ادب میں دنیا کے ہر گوشے میں شعراء اور سخن وروں نے مسئلۂ فلسطین اور مجاہدینِ فلسطین پر بہت کچھ کہا اور بہت کچھ لکھا۔

عربی، اردو، فارسی، انگریزی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں نثر اور نظم ہر دو اصنافِ سخن میں اس اہم اور سلگتے ہوئے موضوع نے اپنا مقام اور جگہ پائی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہبی زعما اور شعراء ہر دور اور ہر عہد میں مزاحمتی تحریکوں اور مزاحمتی ادب میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بالخصوص شعراء اپنی زبان و بیان کے اظہار میں انتہائی اختصار، جامعیت اور اثر انگیزی کے ساتھ وہ بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، جو نامور خطیب، شعلہ بیاں مقرر اور فکر انگیز اہلِ علم و دانش بھی نہیں کہہ پاتے، یا اس کا وہ اثر نہیں ہو پاتا جو شعراء اپنی سخن وری سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے اوراق میں جا بجا ہمیں اس کی ترجمانی نظر آتی ہے۔

چنانچہ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، احزاب، فتح مکہ سے آج تک اسلامی تاریخ کے ہر عہد اور ہر نازک موڑ پر شعراء نے جذبات کو جگانے اور بیداری میں اہم اور نا قابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

اردو کے مزاحمتی ادب میں جہاں بے شمار معروف اور غیر معروف شعراء نے اپنے افکار و خیالات کی ترجمانی شاعرانہ انداز میں کی، ان میں دو نام بڑے نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آئے ہیں، ان میں ایک شاعرِ مشرق، مفکرِ ملّت، مصورِ مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان علّامہ محمد اقبال اور دوسرے مزاحمتی ادب کا شاہ کار جناب فیض احمد فیض ہیں۔ جنہوں نے اپنے افکار و خیالات کو اظہار کے ذریعے جگہ دی، فلسطین اور فلسطین کے مسلمانوں پر فکر انگیز نظمیں کہیں اور اس اہم موضوع پر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا۔ فلسطین کے حوالے سے مزاحمتی ادب میں جگہ پائی۔

''فیض احمد فیض'' ۱۳ فروری ۱۹۱۱ کو شہرِ اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، آبائی مسکن قصبہ کالا قادر ضلع سیالکوٹ ہے، ان کے والد کا نام چوہدری سلطان محمد خان تھا۔ وہ ایک زراعت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔(۳)

فیض نے ابتداء میں اردو، فارسی اور عربی پڑھی، ۱۹۲۷ء میں میٹرک کیا، ۱۹۲۹ء میں مرے کالج سیالکوٹ سے انٹر میڈیٹ کیا اور

وہاں علاّمہ اقبال کے استاد مولوی میر حسن سے عربی پڑھی، ۱۹۳۱ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی میں آنرز کیا، ۱۹۳۴ء میں اسی کالج سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ (۴)

جب کہ ۱۹۳۴ء میں اورنٹیل کالج لاہور سے عربی ادب میں ایم اے کیا۔ ۱۹۳۵ء میں امرتسر کے ایم اے او کالج میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے تدریس سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک پاکستان ٹائمز اور لیل و نہار کے ایڈیٹر رہے، انہوں نے ادبِ لطیف اور امروز کی بھی ادارت کی۔ ۱۹۶۴ء میں کراچی کے عبداللہ ہارون کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

راول پنڈی سازش کیس میں ۹ مارچ ۱۹۵۱ء میں پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے اور بعدازاں متعدد مقدمات میں کئی سال سرگودھا، منٹگمری، کراچی اور لاہور کی مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ (۵)

فیض احمد فیض شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں، البتہ ڈاکٹر تاثیر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، چراغ حسن حسرت اور پطرس بخاری کی ادبی صحبتوں سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ (۶)

فیض نے اردو میں غالب، اقبال، ناسخ، سودا، میر، فارسی میں حافظ، انگریزی میں کیٹس شیلے اور براؤننگ کے اثرات قبول کیے۔ وہ چونکہ عربی ادب کے بھی طالب علم رہے ہیں، لہٰذا عربی شعراء میں امراُوالقیس، طرفہ اور عمر بن ربیعہ کی رومانی شاعری ان کے پیش نظر رہی۔ (۷)

وہ ترقی پسند شاعر کے طور پر خاص حوالہ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی پسندی وہ ہے، جو سماجی ترقی میں مدد دے، ان کی غزلیں ترقی پسند رجحانات کے ساتھ ساتھ ادب کے فنی معیار پر پوری اترتی ہیں۔ (۸)

فیض احمد فیض کے نزدیک ترقی پسند ادب سے کیا مراد ہے؟ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں: ''ترقی پسند ادب سے مراد ایسی تحریریں ہیں جو (۱) سماجی ترقی میں مدد دیں، (۲) ادب کے فنی معیار پر پوری اتریں۔'' (۹)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''ہم ترقی پسند ادب کی تعریف کو ذرا وسعت دے سکتے ہیں اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ ترقی پسند ادب ایسی تحریروں سے عبارت ہے، جن سے سماج کے سیاسی اور اقتصادی ماحول میں ایسی ترغیبات پیدا ہوں، جن سے کلچر ترقی کرے، تہذیب کا ارتقاء عمل میں آئے۔'' (۱۰)

فیض مزید لکھتے ہیں:

ترقی پسند ادب وہ ہے، جو صحیح اقدار کا پرچار کرے، اقدار اس وقت تک کلچر کا حصہ نہیں بن سکتیں، جب تک ان پر اجتماعی طور پر عمل نہ کیا جائے اور ایسا عمل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک سیاسی اور اقتصادی ماحول کو ان کے مطابق نہ بنایا جائے۔'' (۱۱)

اقبال کے بعد فیض احمد فیض اپنے تخلیقی ذہن کی کارکردگی اور خوب صورت شعری اظہارات کی بناء پر اردو شاعری میں بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی شاعری سنجیدہ ادبی حلقوں کے لیے بھی مرکزِ توجہ بنی اور اردو کے بلند پایہ ناقدوں نے ان کے شعری کارناموں پر بحث کی۔ وہ اپنے عہد کے معتبر اور مقبول شاعر کی حیثیت سے جانے گئے۔ (۱۲)

احمد ہمدانی کے بقول اردو شاعری کے تین نمایاں دبستانوں میں پہلے دبستان کے قائد علامہ اقبال اور دوسرے دبستان کے قائد

فیض احمد فیض ہیں۔(۱۳)

جدید شاعری کے پس منظر میں فیض کی شاعری کی معنویت اور مماثلت کا جائزہ لیا جائے تو بعض دل چسپ نتائج سامنے آتے ہیں۔پہلی بات یہ کہ ادبی تاریخ میں ہر نیا دور ایک جداگانہ اور منفرد شعری مزاج کا حامل ہوتا ہے۔اس لیے ہر نئے دور کے الگ تقاضے ہوتے ہیں۔اقبال بیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آئے اور اس دور کے فکری،تہذیبی،سیاسی اور سماجی تغیرات سے ان کے ذہن وفکر کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ پورے دور کی ایک نمائندہ آواز بن گئے،اسی طرح ۱۹۳۵ء کے بعد اردو کی ادبی تاریخ میں جس مقصدی دور کا آغاز ہوا،فیض اس کی مؤثر نمائندگی کرتے ہیں۔انہوں نے اپنے عہد کے ہر انقلاب کو پوری طاقت سے محسوس کیا،علاوہ ازیں اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کی پیچیدگیاں ان کے لیے شعری محرکات بن گئیں۔(۱۴)

فیض صنعتی اور میکانکی معاشرے میں انسانی اقدار کی پامالی کے ہوش ربا مناظر کو دیکھ کر محرومی،اُداسی اور اضطراب کے جذبات سے ہمکنار ہوتے ہیں۔یہ حزنیہ رنگ ان کے آخری دور کے کلام میں زیادہ نمایاں ہے۔(۱۵)

۱۹۳۹ء میں ''نقشِ فریادی'' کی اشاعت سے ان کی وفات سے ذرا پہلے ''غبارِ ایام'' کی طباعت تک فیض احمد فیض کے آٹھ مجموعے شائع ہو چکے تھے،جنہیں بعد ازاں ''نسخہ ہائے وفا'' کے نام سے یکجا کر کے کلیات کے روپ میں شائع کیا گیا اور تاحال اس کے متعدد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔(۱۶)

شاعری کے علاوہ فیض نے وقتاً فوقتاً کچھ مضامین بھی لکھے ہیں،جو''میزان'' کے عنوان سے یکجا کتابی صورت میں شائع کیے گئے۔ میزان کے یہ مضامین چار حصوں میں منقسم ہیں،نظریہ،مسائل،متقدمین اور معاصرین۔(۱۷)

ن۔م راشد فیض کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے اندر اور پھر اپنے قاری کے اندر ایسا درد،ایسی رقت پیدا کرتے ہیں،جو اس کے ذاتی تجربے کا رشتہ انسان کے مجموعی تجربے کے ساتھ ملا دیتی ہے۔''(۱۸)

فیض کے اس رویے نے مزاحمتی اسلوب اور مزاحمتی ادب میں اہم اور تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ان کے اس اسلوب اور رویے کو انسانی دردمندی کے رویے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔یہ وہ رویہ ہے،جو انہیں ہر آنے والے دور کے لیے قابل قبول بنائے گا۔ان کی شاعری میں انسانی ضمیر کی آواز سنائی دیتی ہے،ان کے نزدیک حق وصداقت اور خیر کی ازلی قوتیں ہمیشہ فتح ونصرت سے ہمکنار ہوتی ہیں،زندگی کے بارے میں یہ مثبت اور تعمیری رویہ ان کی شخصیت کی گہرائیوں سے پھوٹا ہے۔

فیض کے کلام میں ظالم اور استعمار کے لیے پنجۂ عدو،بازوئے قاتل،خزاں،پنجۂ صیّاد،ستم گر،لشکرِ اغیار واعداء،مقتل،قتل گاہیں وغیرہ زندہ استعارے ہیں۔(۱۹)

۱۵ جون ۱۹۸۳ء کو فیض نے مسئلۂ فلسطین اور مجاہدین فلسطین کے جذبۂ جہاد اور حریت پسندی کے حوالے سے بیروت میں ''ایک ترانہ مجاہدینِ فلسطین کے لیے'' مشہور نظم کہی،جسے فلسطین کے حوالے سے پیدا ہونے والے مزاحمتی ادب میں نمایاں مقام حاصل ہوا۔فیض نے اپنی اس نظم میں کہا:

ہم جیتیں گے
حقا ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
کیا خوفِ زیلغارِ اعداء
ہے سینہ سپر ہر غازی کا
کیا خوف زیورشِ جیش قضا
صف بستہ ہیں ارواح الشہداء
ڈر کاہے کا
ہم جیتیں گے
حقا ہم جیتیں گے
قد جاء الحق وزہق الباطل
فرمودۂ ربِ اکبر
ہے جنت اپنے پاؤں تلے
اور سایۂ رحمت سر پر ہے
پھر کیا ڈر ہے
ہم جیتیں گے
حقا ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے(۲۰)

فیض احمد فیض کی فلسطین کے مظلوم مسلمانوں اور مجاہدین کے نالہ وفریاد اور صہیونی مظالم کے خلاف یہ نظم اظہار یک جہتی اور صدائے احتجاج ہے۔فیض کی اس تاریخی نظم کو مسئلۂ فلسطین کے حوالے سے پیدا ہونے والے مزاحمتی ادب اور شاعری میں اہم مقام حاصل ہے۔

فیض کی اس نظم کو اس تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ تاریخ انسانی کا یہ دور اسرائیلی جارحیت، صہیونی مظالم اور وحشت و دہشت کے حوالے سے خاص شہرت رکھتا ہے، مسئلۂ فلسطین عالمی توجہ کا مرکز تھا، اُمّتِ مسلمہ اسرائیلی مظالم کے خلاف سراپا احتجاج اور صدائے احتجاج بلند کر رہی تھی۔ دوسری جانب اسرائیل فلسطینی مسلمانوں، عورتوں، معصوم بچوں اور بزرگوں کا بے دریغ قتلِ عام کر رہا تھا۔''صابرہ اور شتیلا''میں ستمبر ۱۹۸۲ء کا قتل عام فلسطینی مسلمانوں پر وحشت ناک مظالم اور اسرائیلی درندگی کا سیاہ ترین باب ہے۔ چنانچہ ۱۶ اور ۱۸ ستمبر کے درمیان کم وبیش ۳۵۰۰ فلسطینی مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ایک برطانوی لیڈی ڈاکٹر کے مشاہدے اور بیان کے مطابق جو اس وقت بیروت میں تھی، کہنا ہے کہ

’’مظلوم فلسطینیوں کو قتل عام سے قبل بدترین مظالم اور شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا، انہیں وحشیانہ طریقے سے مارا پیٹا گیا، ان کے بازوؤں اور ٹانگوں کے درمیان بجلی کی تاریں باندھی گئیں، ان کی آنکھیں نکال دی گئیں، قتل سے پہلے خواتین کی عصمت دری کی گئی، اجتماعی آبروریزی کی گئی، معصوم بچوں کو بارود سے زندہ اڑا دیا گیا۔‘‘ (۲۱)

لبنان کے اسپتالوں اور پولیس ریکارڈ کے مطابق ۴ جون تا ۳۱ / اگست ۱۹۸۲ء، ۱۷۸۳۵ فلسطینی مسلمان اسرائیلی بمباری سے شہید ہوئے، جب کہ فلسطینی ذرائع کے مطابق ۸۳ دنوں کے محاصرے میں ۷۰ ہزار لبنانیوں اور فلسطینیوں کو شہید کر دیا گیا۔ (۲۲)

اس تناظر میں فیض کی یہ نظم ’’ایک ترانہ مجاہدین فلسطین کے لیے‘‘ کلمۂ حق ہے، جو انہوں نے پوری جرأت و استقامت سے بلند کیا۔ یہ صدائے احتجاج ہے، جو انہوں نے اپنے ضمیر کی آواز پر بلند کی، فلسطینی مسلمانوں کے لیے فتح کی بشارت ہے، جو انشاءاللہ ایک دن ضرور انہیں حاصل ہوگی۔ فیض کی نظم مسئلۂ فلسطین اور مجاہدین فلسطین کے حوالے سے کی گئی شاعری اور مزاحمتی ادب میں تاریخ ساز اہمیت کی حامل ہے، جسے انسانی تاریخ کے کسی دور میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ظلم و ستم، انسانیت کے خلاف وحشیانہ مظالم اور صہیونی سفاکی اور درندگی کے خلاف ایک آواز ہے، جس کی اہمیت کبھی کم نہ ہوگی۔

’’سرِ وادیِ سینا‘‘ کے عنوان سے مشہور عرب اسرائیل جنگ کے بعد فیض احمد فیض نے ایک یادگار نظم کہی، جو درج ذیل ہے:

پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیِ سینا
پھر رنگ پہ ہے شعلہ رخسارِ حقیقت
پیغام اجل دعوتِ دیدارِ حقیقت
اے دیدۂ بینا
اب وقت ہے دیدار کا دم ہے کہ نہیں ہے
اب قاتلِ جاں چارہ گرِ کلفتِ غم ہے
گلزارِ ارم پرتوِ صحرائے عدم ہے
پندارِ جنوں
حوصلۂ راہِ عدم ہے کہ نہیں ہے
پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیِ سینا،
اے دیدۂ بینا
پھر دل کو مُصفّا کرو، اس لوح پہ شاید
مابینِ من وتُو نیا پیماں کوئی اترے
اب رسمِ ستم حکمتِ خاصانِ زمیں ہے
تائیدِ ستم مصلحتِ مفتیِ دیں ہے

اب صدیوں کے اقرارِ اطاعت کو بدلنے
لازم ہے کہ انکار کا فرماں کوئی اترے (۲۳)

علاوہ ازیں فیض نے فلسطین کے حوالے سے دو مشہور نظمیں

(۱) فلسطینی شہداء جو پردیس میں کام آئے'' اور

(۲) ''فلسطینی بچے کے لیے لوری'' بھی کہیں، جو بے حد مقبول ہوئیں۔ فیض نے یہ دونوں نظمیں ۱۹۸۰ء میں بیروت میں قیام کے دوران لکھیں، جو بعد ازاں عوام میں مقبول اور زباں زدِ عام ہوئیں۔ اپنی نظم ''فلسطینی شہداء جو پردیس میں کام آئے'' میں فیض نے فلسطینی مجاہدین کو خراجِ عقیدت اور اپنے قلبی احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

میں جہاں پر بھی گیا ارضِ وطن
تیری تذلیل کے داغوں کی جلن دل میں لیے
تری حُرمت کے چراغوں کی لگن دل میں لیے
تیری اُلفت، تری یادوں کی کسک ساتھ گئی
تیرے نارنج شگوفوں کی مہک ساتھ گئی
سارے اَن دیکھے رفیقوں کا جلو ساتھ رہا
کتنے ہاتھوں سے ہم آغوش مرا ہاتھ رہا
دُور پردیس کی بے مہر گزرگاہوں میں
اجنبی شہر کی بے نام و نشاں راہوں میں
جس زمیں پر بھی کُھلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا علم
تیرے اعدا نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کیے کتنے فلسطیں آباد (۲۴)

جب کہ اپنی دوسری نظم ''فلسطینی بچے کے لیے لوری'' میں فیض نے مظلوم فلسطینی بچوں کے نالہ و فریاد کی ترجمانی اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

مت رو بچّے
رو رو کے ابھی
تیری امّی کی آنکھ لگی ہے
مت رو بچّے

کچھ ہی پہلے
تیرے ابّا نے
اپنے غم سے رخصت لی ہے
مَت رو بچّے
تیرا بھائی
اپنے خواب کی تتلی پیچھے
دُور کہیں پردیس گیا ہے
مت رو بچّے
تیری باجی کا
ڈولا پرائے دیس گیا ہے
مت رو بچّے
تیرے آنگن میں
مُردہ سورج نہلا کے گئے ہیں
چندر ما دفنا کے گئے ہیں
مت رو بچّے
امّی، ابّا، باجی، بھائی
چاند اور سورج
تو گر روئے گا تو یہ سب
اور بھی تجھ کو رُلوائیں گے
تو مُسکائے گا تو شاید
سارے اک دن بھیس بدل کر
تجھ سے کھیلنے لوٹ آئیں گے(۲۵)

فیض کی مسئلۂ فلسطین کے حوالے سے ان شاہ کار اور تاریخی نظموں میں فلسطین اور فلسطینی مسلمانوں پر مظالم اور ان کے احساسات کی ترجمانی پورے طور پر کی گئی ہے۔ اردو کے مزاحمتی ادب میں فیض کی ان نظموں کو اہم اور کلیدی مقام حاصل ہے۔ اردو زبان و ادب میں مسئلۂ فلسطین کی عظمت و اہمیت، اس کی حساسیت اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں پر اسرائیل کی بدترین جارحیت، وحشت و درندگی، سفاکی اور بہیمانہ مظالم کو اجاگر کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ فیض نے اپنی یادگار نظموں میں فلسطینی مسلمانوں پر مظالم کی ترجمانی پوری جرأتِ اظہار کے

ساتھ کر کے درحقیقت انسانیت کے مُردہ ضمیر کو جگانے، خوابیدہ احساسات کو بیدار کرنے اور عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی سعی کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ فیض کی یہ نظمیں ایک جانب مسئلۂ فلسطین پر اردو کے مزاحمتی ادب میں ہمیشہ مقبول، زندہ و پائندہ اور یادگار رہیں گی، جب کہ دوسری طرف خوابیدہ مسلم اُمہ کو غیرت وحمیت دلانے اور ان کے مُردہ احساسات کو جگانے میں اہم اور تاریخی کردار ادا کرتی رہیں گی۔اس لیے کہ فلسطین اور ارضِ مقدس ہمارا قبلۂ اول اور مظلوم فلسطینی مسلمان ہمارے قلب وجگر اور دست و بازو ہیں، جنہیں کبھی اور کسی لمحے، تاریخ کے کسی دور اور کسی عہد میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہمارے ضمیر اور ہماری روح کی آواز ہے، جو مسئلۂ فلسطین کے کرب والم پر نالہ وفریاد اور جذبۂ جہاد کو بے دار کرتی رہے گی۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) معین الدین عقیل، ڈاکٹر/ اقبال اور جدید دنیائے اسلام، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت،۲۰۰۴،ص ۲۶۵

(۲) ایضاً،ص ۲۶۵

(۳) رضوی، ڈاکٹر وقار احمد، تاریخ جدید اردو غزل، اسلام آباد نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء،ص ۶۸۶

(۴) بریلوی، ڈاکٹر عبادت/ جدید شاعری، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۶۰۶

(۵) رضوی، ڈاکٹر وقار احمد/ تاریخ جدید اردو غزل، ص ۶۸۷

(۶) ایضاً ص ۶۸۷

(۷) ایضاً ص ۶۸۸

(۸) ایضاً، رضوی، ڈاکٹر وقار احمد/ تاریخ جدید اردو غزل، ص ۶۹۳

(۹) فیض احمد فیض/ میزان، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲

(۱۰) ایضاً ص ۱۳

(۱۱) ایضاً ص ۱۵

(۱۲) نصرت چوہدری، ڈاکٹر/ فیض احمد فیض اور جدید شعری ذہن، نئی دہلی، انٹرنیشنل اردو پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۹

(۱۳) احمد ہمدانی/ نئی شاعری کے ستون، کراچی، سیپ پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۰

(۱۴) ایضاً ص ۶۵

(۱۵) ایضاً ص ۶۵

(۱۶) خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر/ چند اہم جدید شاعر، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۵۴

(۱۷) علی حیدر ملک/ ادبی معروضات، کراچی، میڈیا گرافکس، ۲۰۰۷ء، ص ۶۵

(۱۸) بحوالہ: نصرت چوہدری، ڈاکٹر/ فیض احمد فیض اور جدید شعری ذہن، ص ۶۶

(۱۹) حسن جعفر زیدی/ موجودہ استعماری توسیع پسندی اور فیض کی شاعری میں اس کے آثار۔ بحوالہ: شیخ عبدالرشید/ موجودہ عالمی

استعماری صورت حال اور فیض کی شاعری، گجرات، شعبۂ تصنیف و تالیف، یونیورسٹی آف گجرات، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۲

(۲۰) فیض احمد فیض/ غبارِ ایّام/ نسخہ ہائے وفا، لاہور، مکتبۂ کارواں، ص ۶۸۰، ۶۸۱

(۲۱) بحوالہ ماہنامہ ضیائے آفاق، لاہور، فروری ۲۰۰۹ء، ص ۴۴

(۲۲) ایضاً ص ۴۴

(۲۳) فیض احمد فیض/ سرِ وادیِ سینا/ نسخہ ہائے وفا ص ۴۲۱، ۴۲۲

(۲۴) فیض احمد فیض/ مرے دل، مرے مسافر/ نسخہ ہائے وفا ص ۶۳۵، ۶۳۶

(۲۵) فیض احمد فیض/ مرے دل، مرے مسافر/ نسخہ ہائے وفا ص ۶۳۷، ۶۳۸